حضرت مجدد الف ثانیؒ کی دینی وملی خدمات کا تحقیقی جائزہ

A Research Based Overview of Religious and National Services of Mujaddid Alf Sani

محمد عظیم فاروقی*

ABSTRACT

Shaikh Ahmed Sirhindi, Mujaddid Alf Sani (R.A)(1524-1598) got his early education from his father Shaikh Abdul Ahad (R.A), a well-known Muslim mystic and a great scholar of Islamic Sciences. He further proceeded to Sialkot, and was taught higher books of Qur'an, Hadith, Fiqah, logic and other Islamic sciences by Shaikh Yaoob Kashmiri(1594 C.E) and Mullah Kamal Kashmiri. Mullah Abdul Hakim Sialkoti(1656 C.E), a well known author of Islamic books proclaimed Shaikh Ahmad as Mujaddid Alf Sani (the reformer for second millennium).

After completion of education, Mujaddid Alf Sani took this adverse condition of Islam and Islamic values to heart and decided to utilize all of his energies for the reformation and revival of real Islamic teachings and values of Qur'an and Sunnah. His services regarding the survival of a religion and Islamic nationhood are versatile and multi-dimensional. He prepared a group of purified sincere Muslim scholars and spiritual guides and sent them throughout India, Afghanistan, the Arabia and central Asia. He brought healthy and reformative changes in prevailing political system of Indian government, social set up of Islamic society, spiritual patterns of Islamic mystics and religious scholars of Islamic sciences. His well-known three volumes of epistles and various important religious books spread of the real values of Islam and tecahings of Islam. This article consists of a research analysis of Hazrat Mujaddid Alf Sani's services regarding religion and nationhood of the Muslim of the sub-continent.

* سینئر انسٹریکٹر، گورنمنٹ کالج آف کامرس، سیٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی، پاکستان۔

شیخ احمد سرہندی ۴ شوال ۹۷۱ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۵۲۴ء بروز جمعہ پنجاب (حال موجودہ مشرقی پنجاب، بھارت) کے مقام سرہند میں پیدا ہوئے۔ نسباً فاروقی تھے۔ خاندان میں کئی پشتوں سے تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ عبدالاحد (۹۲۷ھ/ ۱۵۲۱ء- ۱۰۰۷ھ/ ۱۵۹۸ء) سے حاصل کی اور قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد سیالکوٹ (حال واقع پاکستان) کے مشہور عالم ملّا کمال کشمیری (م ۱۰۱۷ھ/ ۱۶۰۸ء) سے منطق، فلسفہ اور علم کلام کی تعلیم حاصل کی۔ صحیح بخاری کے شارح شیخ یعقوب صرفی (م ۱۰۰۳ھ/ ۱۵۹۴ء) (*) سے حدیث اور قاضی بہلول بدخشانی سے تفسیر کی امّہات کتب پڑھیں۔ سترہ سال کی عمر میں تحصیل علوم کے بعد وطن واپس ہوئے۔

شیخ سرہندیؒ نے احیائے دین کے لئے مؤثر اقدامات اُٹھانے سے پہلے شہنشاہِ اکبر کے پایہ تخت آگرہ کا سفر کیا جہاں انہوں نے فیضی (۹۴۵ھ/ ۱۵۳۹ء- ۱۰۰۴ھ/ ۱۵۹۵ء)، ابوالفضل (۹۵۸ھ/ ۱۵۵۱ء- ۱۰۱۱ھ/ ۱۶۰۲ء) اور بعض دوسرے درباری علماء کے ساتھ نشست و برخاست کی اور اعتقادی خرابیوں کا صحیح کھوج لگالیا۔ آپ نے اس حقیقت کو بھانپ لیا کہ معاشرہ میں حکمران طبقہ، علمائے کرام اور صوفیائے عظام کی اصلاح کے بغیر کسی قسم کی تبلیغی مساعی مؤثر نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا آپ نے بے راہ روی کے شکار حکمران طبقہ اور علمائے سوء اور صوفیائے خام کو ٹارگٹ کیا اور ہمہ جہت انقلابی اصلاحی تحریک کا آغاز کردیا۔ خانقاہوں سے نکل کر رسم شبیری کی سُنت کو از سر نو اُجاگر کیا۔ آپ کی ہمہ جہت کوششوں میں آپ کے مخلص خلفاء اور مریدین نے بھرپور ساتھ دیا جو پورے ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ اپنے قلمی، فکری، رُوحانی اور عملی جہاد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے آپ نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ اپنوں اور بیگانوں کی مخالفتوں کا بھی خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور اپنے پاکیزہ مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ اس سلسلہ میں آپ نے جو حکمت عملی اختیار کی اُس کا اختصار سے تحقیقی جائزہ لیا جاتا ہے۔

سلسلۂ نقشبندیہ کی اشاعت

پہلا کام جس کا شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے بیڑا اٹھایا، وہ ہندوستان میں سلسلۂ نقشبندیہ کی توسیع و اشاعت تھی۔ جلد ہی ان کی شہرت پورے ملک میں پھیل گئی اور چاروں طرف سے لوگ ان کے پاس روحانی ہدایت کے لئے آنے لگے۔ شیخؒ ان کی رہنمائی کرتے، ان کی روحانی ترقیوں پر نظر رکھتے اور جب وہ ایک مخصوص مقام تک پہنچ جاتے تو ان کو ان کے علاقوں میں واپس بھیج دیتے تاکہ وہاں جاکر نقشبندیہ سلسلے کو فروغ دیں۔ ان میں جو زیادہ باصلاحیت تھے ان کو شیخ نے ہندوستان کے اہم شہروں لاہور، دہلی، آگرہ، سہارنپور،

بدایوں، جونپور، الٰہ آباد، مکن پور، پٹنہ، منگل کوٹ (بنگال) اور برہان پور[1] وغیرہ میں بھیجا اور سلسلۂ نقشبندیہ کی اشاعت کا حکم دیا۔ ان حضرات کی کوششوں کے نتیجے میں یہ سلسلہ بہت جلد مقبول ہو گیا۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ جہانگیر کے اس جملے سے لگایا جا سکتا ہے، جو اس نے اس سلسلے کے آغاز کے ۱۶ سال بعد لکھا تھا:

"شیخ کے عقیدت مند ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیل گئے ہیں"[2]۔

یہ سلسلہ صرف ہندوستان تک محدود نہیں رہا بلکہ افغانستان، ترکستان، طبرستان اور ایران میں بھی پھیلا۔ شیخ نے شادمان (اصفہان)، حسن ابدال، کشم (بدخشاں)، بیرک (قندھار) اور طالقان وغیرہ شہروں میں بھی اپنے خلفاء بھیجے اور ان سے مستقل رابطہ رکھا۔ جب انھیں کوئی مشکل پیش آتی تو وہ شیخ سے رجوع کرتے اور شیخ ان کے سوالات کا جواب دیتے۔ اپنے جوابی خطوط[3] میں شیخ مجدد نے نقشبندیہ طریقے کے بنیادی نکات واضح کئے ہیں، خاص طور پر اتباع سنت کی اہمیت جتائی ہے، سماع، رقص اور ذکری جہری کی ممانعت کی ہے، پُر مشقت عبادات اور سخت ریاضت کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور کھانے، پینے اور پہننے میں میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ شیخ نے لکھا ہے کہ ان کا طریقہ وجد، مشاہدات، تجلیات اور شطحیات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا، مکاشفات کو شریعت کے اُصولوں پر پرکھتا ہے۔ یہ نکتہ شیخ نے بار بار واضح کیا ہے کہ تصوف کا مقصد نہ تو خدا تعالیٰ کے ساتھ اتحاد ہے اور نہ اس کی صفات میں اشتراک۔ اس کی غایت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت ہے۔ مقام عبدیت سے بلند تر کوئی اور مقام نہیں ہے۔

عہدِ اکبری میں اسلام کی زبوں حالی اور شیخ مجدد کی اصلاحی کوششیں

سلسلۂ نقشبندیہ کی اشاعت چاہے جتنی اہم ہو، وہ شیخ مجدد کے مشن کا صرف ایک جزء تھی۔ شیخ نے لکھا

ہے کہ "میرا مقصد لوگوں کی محض روحانی تربیت نہیں ہے، میں تو کسی اور کام کے لئے پیدا کیا گیا ہوں"[4]۔ وہ اپنے آپ کو ولی سے آگے بڑھ کر ایسا مجدد سمجھتے تھے جو الف ثانی (دوسرے ہزارے) میں کار تجدید کے لئے اٹھایا گیا ہو[5]۔ اگرچہ انھوں نے خود تفصیل سے نہیں لکھا تاہم یہ واضح ہے کہ ان کے سامنے ان کا مشن اور اس کے تقاضے پوری طرح واضح تھے۔ شیخ کے کام کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اصل مقصد الحاد اور غلط طریقوں پر تنقید کرنا، وحی، نبوت اور شریعت محمدیہ میں از سر نو یقین راسخ پیدا کرنا، نافرمانیوں اور بدعات و خرافات کو مٹانا، اچھائیوں، نیکیوں اور اتباع سنت کا احیا کرنا اور اسلام مخالف عناصر اور قوتوں کے خلاف جہاد اور اسلامی اداروں کا قیام تھا۔ شیخ مجدد نے اپنی ساری ذہنی طاقتوں کو اس مقصد کی تحصیل کے لئے وقف کر دیا تھا۔

انھوں نے سماج کے ہر طبقے، عوام، علمائ، صوفیاء اور اہل حکومت و سیاست کے غلط خیالات کی اصلاح کے لئے کتابیں اور رسالے تصنیف کئے[۶] اور واضح کیا کہ قرآن و سنت اور عقل و طریقت کی روشنی میں کیا درست ہے اور کیا غیر درست۔ انھوں نے زندگی کے ہر پہلو سے متعلق اہم شخصیات کو، چاہے ان کا تعلق مدارس سے ہو، خانقاہوں سے ہو، فوج سے ہو یا حکومت سے، خطوط لکھے اور سب کو توجہ دلائی کہ وہ اپنے زیر اثر حلقے میں لوگوں کی اصلاح کریں اور ان کو اس بھاری ذمہ داری کا احساس دلائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے کاندھوں پر ڈالی ہے۔ انھوں نے ان کے پاس اپنے پیغام رساں بھی بھیجے او رجب ضرورت محسوس ہوئی خود بھی سفر کیا۔ ہند اور بیرونِ ہند میں اپنے مریدین کے ذریعے لوگوں کے عقائد کی درستی اور اتباع سنت کی مہم چلائی، انھوں نے اپنے مکاتیب کی متعدد کاپیاں تیار کرا کے اپنے حلقہ مریدین میں تقسیم کرائیں۔ سماج کا ایک طبقہ، جس کے عوام پر بڑے گہرے اثرات تھے، درباری علماء کا تھا۔ عوام پر اس طبقے کے بڑے گہرے اثرات تھے۔ ابو الفضل کا ذکر ابتدا میں آ چکا ہے، اس کے علاوہ اس گروہ میں اور بھی لوگ شامل تھے، مثلاً ابو الفضل کے والد ملا مبارک ناگوری (م ۱۰۰۱ھ/ ۱۵۹۳ء) جس نے اکبر کو الحاد کی راہ پر ڈالا تھا[۷]۔ میر فتح اللہ شیرازی (م ۹۹۷ھ/ ۱۵۸۸ء) جو اس کمیٹی کا سربراہ تھا جو شریعت مطہرہ کی معقولیت جانچنے کے لئے بنائی گئی تھی[۸]۔ شریف آملی، جس کو اکبر نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے بنگال میں متعین کیا تھا[۹]، اور بھی متعدد افراد تھے جنھوں نے یونانی فلسفہ پڑھا تھا اور ہندو پنڈتوں سے ہندی فلسفہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ لوگ وحی اور نبوت کی معقولیت پر اعتراض کرتے تھے اور الٰہی شریعت کی ضرورت کے منکر تھے۔ اس رجحان کا مقابلہ کرنے کے لئے شیخ مجدد نے آگرہ کے دورانِ قیام اپنی پہلی کتاب "اثبات النبوۃ" لکھی۔ دربار کے حالات کا مختصر سا ذکر کرنے کے بعد، نبوت کے مزاج اور اس کی ضرورت کے متعلق بحث کی اور یہ بتایا کہ کسی نبی کے دعوائے نبوت پر یقین لانے کے کیا وجوہ ہیں؟ خواب اور کشف کے حوالے سے وحی کے امکان کو ثابت کیا[۱۰]۔ وحی کی ضرورت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ انسانی عقل محسوسات سے ماوراء صداقتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ جہاں تک صوفیاء کے کشف کا تعلق ہے تو اس میں غلطی کا امکان بہت ہے کیونکہ مختلف صوفیاء کے مکاشفات میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے[۱۱]۔ جہاں تک کسی نبی کے دعوائے نبوت کے اثبات کا تعلق ہے تو شیخ مجدد نے معجزوں کے علاوہ نبی کی زندگی، اس کے پیغام اور اس کے کام کو بطور ثبوت پیش کیا ہے۔ محمد ﷺ کی نبوت کے اثبات کے ضمن میں انھوں نے قرآن کریم، نبی ﷺ کی مثالی زندگی، آپ ﷺ کی شریعت کا مکمل ہونا اور معاشرہ پر آپ ﷺ کے غیر معمولی اثرات کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ "اثبات النبوۃ" اپنے موضوع پر مختصر مگر بہت اہم کتاب ہے۔ اس کتاب میں اور دوسرے

کلامی مباحث میں، جو شیخ کے خطوط میں جا بجا پائے جاتے ہیں، انھوں نے اسلام کی پوری کلامی روایت سے استفادہ کیا ہے، خاص طور پر اس مکتب فکر سے جو اس وقت وسط ایشیا میں چھایا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بھی ان کی تحریروں میں صفاتِ ذات باری، آزادئ ارادہ، ایام فترۃ کے ایمان وغیرہ سے متعلق متعدد نئے مباحث اور نکتے ملتے ہیں۔ اکبری عہد میں نبوت کے علاوہ مقام صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی ہدف طعن بنایا جارہا تھا، شیعوں نے ملک بھر میں تنقیص صحابہ رضی اللہ عنہم کی پرجوش مہم چلا رکھی تھی، خاص طور پر ایران میں صفوی بادشاہوں کے ذریعے شیعیت کے احیاء کی تحریک سے متاثر ہو کر یہاں بھی شیعوں نے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو یہ کہہ کر مطعون کرنا شروع کیا کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے محروم کر دیا تھا۔ حضرت علی کے خلاف جنگ میں حصہ لینے کی وجہ سے حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے خلاف بھی وہ زبان درازی کرتے تھے اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی، جنھوں نے ان کی حمایت کی تھی، ہدف طعن بناتے تھے۔ ان کی طعن و تشنیع بڑھتے بڑھتے حضرت علی اور ان کے چند حامیوں کو چھوڑ کر پورے گروہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر حاوی ہو گئی تھی۔ دربار آگرہ کے جو لوگ اس تحریک میں پیش پیش تھے ان کی قیادت قاضی نور اللہ شوشتری کر رہے تھے[۱۲]۔ جنوب میں اس کی قیادت برہان نظام شاہ (۱۵۰۸ء- ۱۵۵۳ء) نے سنبھال رکھی تھی جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا کرنے اور اس راہ میں مزاحم ہونے والوں کو قتل کرنے کے لئے سینکڑوں لوگوں کو بطورِ خاص ملازم رکھا تھا[۱۳]۔ شمال میں اس مہم کا دوسرا مرکز کشمیر تھا۔ آگرہ میں شیعہ عالموں نے ایک کتاب شائع کی جس میں شیعہ مسلک پر وسط ایشیاء کے سنی علماء کی تنقید کا جواب دیا گیا تھا اور اپنے مؤقف کو درست ٹھہرایا گیا تھا۔ اس کتاب کو ایک معرکہ آراء کتاب کی حیثیت سے پیش کیا جارہا تھا۔

ردّ روافض کے لئے شیخ احمد کی کاوشیں

شیخ مجددؒ نے اپنی تصنیف "رد روافض" میں اس کتاب کا تنقیدی جائزہ لیا اور اہل سنت کے مؤقف کی تائید کی۔ اس تصنیف میں اور اس موضوع سے بحث کرنے والے دوسرے خطوط میں[۱۴] شیخ مجددؒ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب کی تنقیص و اہانت غلط ہے، اوّل تو یہی درست نہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کرنے کی وصیت کی تھی، اس سلسلے کی جتنی روایات ہیں سب موضوع ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابتدائی تین خلفاء رضی اللہ عنہم سے یہ بات مستبعد ہے کہ وہ نبی ﷺ کی وصیت کے خلاف کام کریں اور اگر حضور ﷺ نے حضرت علی کو جانشین بنایا ہوتا تو یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

وقار کے بھی خلاف ہے کہ وہ ان تینوں کی اطاعت کر کے اپنے حق کا ابطال کرتے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر شیعہ مؤقف قبول کر لیا جائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مذمت کی جانے لگے، تو اس سے قرآن کی حقانیت شدید طور پر متاثر ہو گی، اس لئے کہ قرآن پاک کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہی جمع کیا تھا۔ اسی طرح حدیث کے پورے ذخیرے کا اعتبار بھی مجروح ہو جائے گا، اس لئے کہ وہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہی نقل ہو کر آیا ہے۔ یہ بات نبی کریم ﷺ کے اس مشن کو بھی مجروح کرتی ہے جس کے لئے آپ ﷺ مبعوث ہوئے تھے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ ﷺ نے پوری زندگی ایسے لوگوں کو تیار کرنے میں گزار دی جنھوں نے اپنے پیشوا کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کی ایک غیر معمولی وصیت کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جنھوں نے بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تھی، ان کے بارے میں شیخ مجددؒ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اس معاملے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ برسر حق تھے اور ان کے مخالفین غلطی پر تھے۔ تاہم ان کی غلطی اجتہادی تھی، جیسا کہ بہت سے علماء نے اشارہ کیا ہے۔ چونکہ اس اختلاف کا سبب ذاتی اغراض نہیں تھے [۱۵] اس لئے ان پر تنقید کرنے کے بجائے ان کو معذور سمجھنا چاہیے۔ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ توجیہ حضرت طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کو تو بَری کر دیتی ہے، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہیں [۱۶] جنھیں شیخ مجددؒ نے بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے، تب بھی ان حضرات کی وفات کے بعد ان کی تنقیص کا عمل نا مناسب ہے [۱۷] خاص طور پر جبکہ انھوں نے اسلام کی بے شمار قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ شیخ مجدد کی ''رد روافض'' کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی تصنیف کے تقریباً ایک صدی بعد شاہ ولی اللہ جیسی شخصیت نے اس کی شرح لکھی اور اس کی مقبولیت میں اضافہ کیا [۱۸]۔

شیخ احمدؒ عام مسلمانوں کے لئے مسیحا

شیخ مجددؒ کے دور میں عام مسلمانوں کی زندگی کافی حد تک شرک و بدعت سے عبارت تھی، مشرکانہ مذاہب اور ہندوستانی ثقافت سے ربط و تعلق کی وجہ سے مسلمان غیر مسلموں کے مذہبی رسوم میں شرکت کرتے تھے [۱۹]۔ اپنی اغراض کے لئے ان کے دیوی دیوتاؤں سے منت مانگتے تھے۔ عورتیں چیچک سے بچنے کے لئے ان کی پرارتھنا کیا کرتی تھیں [۲۰]۔ راکھی اور دیوالی جیسے ہندو تیوہاروں میں بھی مسلمان شریک ہونے لگے تھے، دیوالی کے موقعے پر وہ بھی بالکل ہندوؤں کی طرح دیئے جلاتے تھے اور کھانا پکا کر رنگ برنگ برتنوں میں دوستوں کے یہاں تحفے بھیجا کرتے تھے [۲۱]۔ ہندو تہذیب کا اثر اوپر کے طبقوں تک بھی پہنچ چکا تھا، مثلاً دکن میں خانخاناں کے دربار میں ایک شاعر نے کفری تخلص اختیار کر رکھا تھا [۲۲]۔

صوفیاء خام کی اصلاح وتربیت

مذہبی انحطاط کا دوسرا سبب جاہل اور گمراہ صوفیاء کے اثرات تھے، ان کے نام کی نذریں مانی جاتی تھیں

اور مرحوم صوفیاء کی قبروں پر قربانیاں کی جاتی تھیں، عورتیں اپنے صوفی پیروں کے نام کے روزے رکھتی تھیں اور دوسری بہت سی رسوم بھی ادا کرتی تھیں، مثال کے طور پر وہ چاہے کتنی ہی مال دار کیوں نہ ہوں، مانگی ہوئی بھیک سے ہی روزہ افطار کرتی تھیں[۲۳]۔ پندرہ شعبان کی شب، رجب کی ستائیسویں شب اور رجب کی پہلی جمعرات کو، جسے لیلۃ الرغائب کہا جاتا تھا، بڑے اہتمام سے منایا جاتا تھا۔ اس موقع پر اجتماعی طور پر نفل پڑھنے کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا[۲۴]۔

صوفیاء میں سماع، وجد اور رقص عام تھا، جشنِ میلاد النبی ﷺ بھی بڑی دھوم سے منایا جاتا تھا[۲۵] خود شیخ مجددؒ کے پیرزادے بھی جمعرات کے دن قوالی میں شرکت کو معیوب نہیں سمجھتے تھے[۲۶]۔ فرائض و سنن کے مقابلے میں ذکر و فکر کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی، لوگ چلّہ کشی تو کرتے تھے مگر نماز باجماعت کا اہتمام نہیں کرتے تھے[۲۷]۔ پیروں کے بارے میں یہ تصور عام تھا کہ ان کے اندر ایسی روحانی قوت ہے کہ اگر وہ کسی سے ناراض ہو جائیں تو اسے روحانی ارتقا سے محروم کر سکتے ہیں[۲۸] اور اگر کسی سے راضی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سے اس کے گناہ بھی بخشوا سکتے ہیں[۲۹]۔

نظریہ وحدت الوجود کو حلول واتحاد کے ہندوانہ تصورات سے ممیز کرنا

شیخ احمد سرہندیؒ کے دَور میں ہندومت کے احیاء کی متعدد تحریکیں چلیں، جن میں بھگتی تحریک سب سے نمایاں تھی، جو اسلامی تعلیمات کے عالمگیر اخوت و محبت اور عدل و مساوات کے پیغامات سے متاثر ہو کر چلائی گئیں، تاکہ ہندومت کے غیر فطری ذات پات کے نظام، چھوت چھات کے غیر انسانی تصورات اور لاکھوں دیوتاؤں کی پوجا پاٹ سے ہندو مذہب اور ہندی معاشرے کو پاک کیا جائے، لہٰذا انھوں نے اسلامی تصورِ توحید کی مختلف فلسفیانہ تاویلات کر کے نظریۂ وحدت الوجود کو نظریۂ ہمہ اوست اور حلول و اتحاد کے ساتھ جوڑنے کی جسارت اور سازش کی۔ جن سے بعض مسلم صوفیاء خام بھی بری طرح متاثر نظر آنے لگے۔ شیخ مجددؒ کی باریک بین نگاہوں نے اس فکری سازش کو بھانپ لیا۔ کیونکہ جلال الدین اکبر کے حواریوں نے بھی اس فلسفہ کو بنیاد بناتے ہوئے وحدت ادیان اور وحدت قومیت کے تصورات کو فروغ دینا اور نافذ العمل کرنا شروع کر دیا۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس فتنہ کا سخت نوٹس لیا۔ اور اکابرین ملت، جنھوں نے اسلامی تصورِ توحید کو

وحدت الوجود کے پیرائے میں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اُن کے اخلاص، ورع اور تقویٰ کو بے داغ رکھنے کے لیے توحید کی آسان اور قرآنی فکر کے پیرائے میں انتہائی مدلّل تعبیر وحدت الشہود کے الفاظ میں فرمائی، جو یقینا تیر بہ ہدف ثابت ہوئی اور دو قومی نظریہ کے حقیقی خد و خال اجاگر ہوئے اور ملتِ اسلامیہ ہندومت میں ضم ہونے سے محفوظ ہو گئی، کیونکہ بعض صوفیاء خام کے عقائد اس قدر مسموم ہو گئے تھے کہ وہ شریعت کو صرف علم یقین حاصل کرنے کا ذریعہ تصور کرتے تھے۔ ایسی صورت میں ان کے خیال میں کسی وحدۃ الوجودی کے لئے انبیائی شریعت کی حاجت باقی نہیں رہتی[۳۰]۔ کچھ صوفیاء یہ کہہ کر نماز کی اہمیت گھٹایا کرتے تھے کہ یہ اللہ اور بندے کے درمیان تفریق کرتی ہے[۳۱]۔ بعض صوفیاء فنا اور بقا کو وفات اور حشر کا مساوی قرار دیتے اور جزا و سزا کا انکار کرتے تھے[۳۲]۔ بعض صوفیاء حسین چہروں کو دیکھنے اور خوش گلو کی آواز سننے کا یہ جواز نکالتے تھے کہ یہ حسن ازلی کے مظاہر ہیں[۳۳]۔ شیخ مجددؒ نے ان افکار و خیالات کا تذکرہ اپنے خطوط میں کیا ہے اور انھیں کفر، شرک اور بدعت قرار دیا ہے۔ انھوں نے صوفیاء کو ہدایت کی ہے کہ ان گمراہیوں سے بچیں اور اپنی زندگی کو درست کریں۔ تھانیسر کے ایک صوفی کے نام ایک خط میں انھوں نے لکھا:

"نماز عشاء کو نصف شب تک اس ارادے سے مؤخر کرنا کہ اس طرح تہجد کی نماز پڑھ لی جائے، قابلِ اعتراض ہے۔ حنفی فقہاء نے اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، یہ چیز ختم ہونی چاہیے۔ آپ اپنے وضو کا ماء مستعمل دوسروں کو پینے کی ہدایت ہر گز نہ کریں۔ اس لئے کہ ماء مستعمل امام ابو حنیفہ کے نزدیک ناپاک ہے، فقہاء نے اس کے استعمال سے منع کیا ہے۔ مجھے معتبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے خلفاء کو ان کے مریدین سجدہ کرتے ہیں اور تعظیم کے لئے صرف سر جھکا دینے کو کافی نہیں سمجھتے، یہ فعل شنیع ہے، اس کی شدید مذمت کرنی چاہیے اور اس کو بند کر دینا چاہیے"[۳۴]۔

بدعات کے خلاف جدوجہد

شیخ احمدؒ بدعت حسنہ و سیئہ میں کوئی تفریق نہیں کرتے، ان کا کہنا ہے کہ دین میں ہر اضافہ بدعت ہے۔ اپنے ایک مرید کے نام خط میں لکھتے ہیں:

"تم نے پوچھا ہے کہ میں ذکر جہری کو کیوں منع کرتا ہوں اور بدعت کہتا ہوں جبکہ اور بہت سی دیگر اشیاء کو منع نہیں کرتا جو عہد نبوی میں نہیں تھیں جیسے فرخی لباس (سامنے کا پورا حصہ کھلا ہوا، اچکن کی طرح) اور پائجامہ وغیرہ۔ اس بات کو یاد رکھو کہ رسول عربی ا کے اعمال دو طرح کے تھے، کچھ تو عبادات کے قبیل سے تھے اور کچھ عرف و عادات یا رسوم و رواج کے قبیل سے۔ جو اعمال آپ ﷺ نے بطور عبادت کئے تھے، ان میں

مداخلت بدعت ہے، اس کی سختی سے مخالفت ہونی چاہیے کیونکہ یہ دین میں اضافہ ہے۔ البتہ جو کام آپ ﷺ نے بطور عرف و عادت کئے ہیں، ان میں تبدیلی بدعت نہیں کہلائے گی اس لئے کہ ان کا تعلق دین سے نہیں ہے، ان کا وجود اور عدم وجود عرف و عادت پر مبنی ہوتا ہے مذہب پر نہیں'' (۳۵)۔

شیخ مجددؒ نے جن بدعات کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے کچھ تو دین میں اضافہ ہیں جن کے لئے کوئی نص موجود نہیں ہے اور ان سے شریعت کی قائم کردہ ترجیحات بھی متاثر ہوتی ہیں۔ ان سے ایسی چیزوں کو فروغ ملتا ہے جو شریعت کے خلاف ہیں۔ اسی طرح کا ایک تصرف یہ تھا کہ شریعت نے جن احکام کے لئے وقت اور جگہ کا تعین کیا تھا لوگ ان میں تبدیلی کرتے تھے۔ شیخ مجدد کا کہنا تھا کہ ہر قسم کی بدعت، اعمال کی انجام دہی کے مطلوبہ طریقوں میں تبدیلی کرتی ہے اور سنت کو ہٹا کر اس کی جگہ لے لیتی ہے (۳۶)۔

شیخ مجددؒ نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ جو علماء لوگوں کو شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دینے پر مامور تھے، وہ خود بدعت و گمراہی میں مبتلا ہیں۔ لکھا ہے کہ اس وقت سارا عالم بدعت کے دریا میں غرق ہو چکا ہے اور برائیاں فروغ پا رہی ہیں، آج کے علماء بھی بدعت کے مبلغ اور سنت کے مخالف بنے ہوئے ہیں، بدعت کی مخالفت اور سنت کی حمایت کرنے کی کسی میں ہمت نہیں، بیشتر علماء لوگوں کو یہ کہہ کر بدعت میں مبتلا کر رہے ہیں کہ یہی طریقہ زیادہ صحیح اور قابلِ اعتماد ہے (۳۷)۔

علماء صرف بدعت کے فروغ پر اکتفا نہیں کر رہے ہیں بلکہ پورے نظامِ دین کو مسخ کرنے کی کاوش کر رہے ہیں۔ ایک عالم جو پورے ملک کے سب سے معتبر دینی عہدے پر فائز ہیں، انھوں نے فتویٰ دیا ہے کہ مکہ کا راستہ پُرخطر ہونے کی وجہ سے حج کی فرضیت ساقط ہو گئی ہے (۳۸)۔ ایک دوسرے عالم نے لاہور میں فتویٰ دیا ہے کہ سود لینا جائز ہے (۳۹)۔ کچھ دوسرے علماء نے بادشاہ کے سامنے تعظیماً رکوع کرنے اور زمین پر سر رکھنے کو جائز قرار دیا ہے (۴۰)۔ اس فعل کے جواز میں ایک ''تاج العارفین'' نے وحدۃ الوجود کا سہارا لیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ ''بادشاہ اور خدا دونوں ایک ہی ہیں، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے'' (۴۱)۔ ایک دوسرے عارف کہتے ہیں کہ ''چونکہ جنت میں لوگ بغیر داڑھی کے ہوں گے اس لئے داڑھی منڈوانا جائز ہے'' (۴۲)۔

علمائے سوء کے خلاف جہاد

شیخ مجددؒ اس طرح کے اقوال کو دین میں مداخلت قرار دیتے ہیں، ان کے کہنے والوں پر سخت تنقید کرتے ہیں اور ان کو دین کا رہزن بتاتے ہیں (۴۳)۔ شیخ مجددؒ اکبر کو گمراہ کرنے والے درباری علماء جیسے ملا مبارک اور ابوالفضل پر سخت تنقید کرتے ہیں (۴۴)، ان کی سطحیت اور علمی کم مائیگی کو اسلام سے انحراف اور آزاد خیالی کی

وجہ قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے (۴۴) کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ لوگ ایسے خود غرض اور کم ظرف ہیں کہ ذاتی مفادات کے لئے آپس میں لڑتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو فاسق و فاجر اور مفسد قرار دیتے ہیں اور اپنے منصب سے فائدہ اٹھا کر محض دولت جمع کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں (۴۵)۔

شیخ مجددؒ نے ملک کے خداترس علماء سے اپیل کی کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے ان غلطیوں کی اصلاح کریں جنھوں نے عوامی زندگی کو متاثر کیا ہے اور اسلام کی تصویر بگاڑی ہے۔ انھوں نے تنبیہ کی کہ اس معاملے میں مفاہمت کی کوئی بھی کوشش خطرناک ثابت ہوگی۔ جب لاہور کے بعض علماء نے سود کے جواز کا فتویٰ دیا تو وہاں کے ایک بڑے عالم کے نام طویل خط لکھا۔ اس میں شیخؒ نے ان کے دلائل کی تردید کی اور توجہ دلائی کہ علماء حق کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا چاہیے (۴۶)۔ ایک دوسرے خط میں اپنے خلیفہ ملا احمد برکی کے نام لکھا:

”جہاں جہاں بدعات کو زور ہے وہاں پوری توجہ اور لگن سے شرعی احکام اور فقہی اُصولوں کو رواج دینے کی کوشش کرو، اپنے آپ کو تیار کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دو، یہ تمہاری ذمے داری ہے اور اسے صرف خوشنودیٔ رب کے حصول کے لئے کرو“ (۴۷)۔

۹۸۷ھ/ ۱۵۷۹ء میں درباری علماء نے ایک محضر نامہ تیار کیا (۴۸) اور اس پر مختلف علماء کے دستخط کروا کے اسے اکبر کی خدمت میں پیش کیا۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ اکبر نہایت عادل، ذی علم اور خداترس بادشاہ ہے، اس لئے اس کا مقام مجتہد سے بھی افضل ہے اور اس کو مجتہدین کے مابین مختلف فیہ معاملات میں فیصلہ دینے کا اختیار ہے۔ یہ حق حاصل کرنے کے بعد اکبر نے اگلے دو دنوں میں تین ایسے بنیادی اقدامات کئے جن سے برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل پر دوررس اثرات مرتّب ہوئے۔ اوّل اکبر نے ملا مبارک اور اس کے بیٹے ابوالفضل کا تجویز کردہ ایک نیا مذہب دینِ الٰہی جاری کیا (۴۹)۔ اس دین کی بنیاد یہ کہہ کر رکھی گئی کہ چونکہ اسلام اپنے ہزار سال پورے کر چکا ہے جو کسی بھی مذہب کی طبعی عمر ہے، اس لئے اب اس کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ دینِ الٰہی اس طرح ترتیب دیا گیا کہ اس میں اسلام کے سوا دیگر تمام مذاہب جیسے ہندومذہب، عیسائیت، یہودیت وغیرہ کے عقائد و رسوم شامل تھے۔ اس کی تفصیلات بہت دلچسپ ہیں (۵۰) لیکن یہاں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اس مذہب کے بانی اور چند دیگر چیلوں کے علاوہ کسی نے بھی اس کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ ایسے اشارے موجود ہیں کہ خود اکبر، جو اس مذہب کا سرپرست اعلیٰ تھا، وہ بھی آخر میں اس

سے تائب ہو گیا تھا[۵۱]۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ شیخ مجددؒ نے اکبر کے دیگر اعمال پر تنقید کی لیکن انھوں نے اس کے مذہب کا نوٹس لینا ضروری نہیں سمجھا۔ بحیثیت مذہب دین الٰہی مکمل طور پر ناکام ہوا۔

اسلامی عقائد و عبادات کی ترویج و اشاعت

دوسری اور زیادہ اہم بات یہ ہوئی کہ اکبر نے اپنے دربار میں ایسے لوگوں کو جمع کیا جو اسلامی عقائد و عبادات اور اسلامی شخصیات کو ہدف تنقید بناتے اور ان کی تحقیر و استخفاف کرتے تھے۔ اکبر اگرچہ بنیادی طور پر مختلف مذاہب میں صداقت کا متلاشی تھا لیکن بعض خود غرض اور تنگ نظر علماء کی آپس کی چپقلش نے اس کی کوشش کو اسلام کے خلاف ایک مہم میں تبدیل کر دیا تھا۔ خدا پر ایمان تو باقی رہا لیکن باقی چیزوں، جیسے تخلیق کائنات، ملائکہ، بعث بعد الموت، وحی و رسالت وغیرہ کا انکار کر دیا گیا، ان کے بجائے عالم کو ازلی قرار دیا گیا، عقیدہ تناسخ کی تصدیق کی گئی اور رسول کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو ہدف طعن بنایا گیا۔

مختلف افراد کے ناموں میں آپ ﷺ کا نام نامی جزء کے طور پر استعمال ہوتا تھا، اسے حذف کر دیا گیا (جیسے محمد فرید کو صرف فرید کہا جانے لگا)۔ نماز اور دوسرے اعمال پر تنقید کی گئی، حلت و حرمت کے قانون کا مضحکہ اڑایا گیا وغیرہ[۵۲] اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ جس نے بھی ان باتوں کو قبول کرنے سے انکار کیا یا اعتراض کرنے کی ہمت کی اس کی تذلیل کی گئی، سزائیں دی گئیں اور بعض کا تو خاتمہ بھی کر دیا گیا[۵۳]۔

تیسری اہم بات یہ ہوئی کہ اکبر نے شریعت اسلامیہ پر مبنی ملک کے قانون کو تبدیل کرنے کی کوشش کی، اس نے زکوٰۃ اور جزیہ کو ختم کر دیا، شراب نوشی اور جوئے کو جائز قرار دیا، چچازاد بھائی اور بہن کے مابین مناکحت اسلام میں جائز ہے، اس کو ممنوع کر دیا، ایک سے زائد شادیوں پر پابندی عائد کر دی، جسم فروشی کے کاروبار کو فروغ دیا، ذبیحہ گائے پر پابندی لگادی اور مختلف ایام میں دیگر جانوروں کا ذبح ممنوع قرار دے دیا، خطبہ جمعہ سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء مبارکہ نکال دیئے گئے، سنہ ہجری کو موقوف کر دیا گیا، نئے ہزار سالہ کے آغاز پر نئے سکے جاری کئے گئے، عربی اور اسلامیات کے مطالعے کی حوصلہ شکنی کی گئی، عربی مدارس کے لئے دی جانے والی سرکاری امداد یا تو بند کر دی گئی یا مختصر کر دی گئی اور جو اسلامی عہدے اور مناصب خالی ہو گئے تھے ان کو پُر نہیں کیا گیا[۵۴]۔

ان چیزوں کا اثر یہ ہوا کہ اسلام کا دوسرے مذاہب کے درمیان، بحیثیت مذہب زندہ رہنا مشکل ہو گیا۔ اس کو دبانے اور معتوب کرنے کی کوشش کی گئی۔ شمالی ہند میں چیتنیہ کی سرکردگی میں چلنے والی ہندو احیاء پرستی کی تحریک نے صورتِ حال اور خراب کر دی۔ متعدد مقامات پر مسلمانوں کی جان غیر محفوظ ہو گئی، مسجدیں شہید

کی گئیں اور اسلامی اعمال کی انجام دہی ممنوع قرار دی گئی۔ شیخ مجددؒ نے اس صورتِ حال کا اپنے متعدد خطوط میں تذکرہ کیا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے: ''سابقہ ایام میں غیر مسلم، مسلم بستیوں میں بھی اپنے مذہبی رسوم آزادانہ ادا کرتے تھے لیکن مسلمان اسلام پر عمل نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اگر اس کی ہمت کرتے تو موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے تھے''[۵۵]۔ ہندو مسجدوں کو شہید کرنے اور ان کی جگہ مندر تعمیر کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ کوروکشتیر میں ایک مسجد اور کسی بزرگ کا مزار تھا، ہندوؤں نے اس کو شہید کر کے اس کی جگہ ایک بہت بڑا مندر تعمیر کر لیا۔ غیر مسلم حضرات اپنی مذہبی رسوم اعلانیہ ادا کرتے تھے جبکہ مسلمان اپنی دینی عبادات کو ادا کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے۔ ایکادشی کے دن ہندو برت رکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اس دوران مسلمان اپنے محلوں میں بھی نہ کھانا بنائیں اور نہ فروخت کریں۔ جبکہ رمضان المبارک میں وہ لوگ کھلے عام کھانا تیار کرتے اور اشیائے خوردونوش فروخت کرتے ہیں۔ اہلِ اسلام کی کمزوری کی وجہ سے کوئی ان سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ملک کا حکمراں ہم ہی میں سے ایک فرد ہے اور ہم اس قابلِ رحم حالت میں رہ رہے ہیں[۵۶]۔

اکبر کی موت اور مجدد الفِ ثانیؒ کی نئی حکمتِ عملی

اکبر کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں جانشینی کا مسئلہ کھڑا ہوا، سلیم (جہانگیر) کو کئی ایسے درباری امراء کی حمایت حاصل ہو گئی جو اکبر کی مذہبی پالیسی کے خلاف تھے۔ اس نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ شریعت کی حمایت کرے گا[۵۷]۔ چنانچہ اکبر کی وفات کے بعد ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵ء میں وہی تخت نشین ہوا۔

شیخ مجددؒ کو جہانگیر کی تخت نشینی سے مسرت ہوئی، لیکن انھیں یقین نہیں تھا کہ جہانگیر اپنے وعدے کو پورا کر سکے گا یا اگر وہ کرنا بھی چاہے تو اس کو اس کام کا صحیح طریقہ معلوم ہو گا۔ اس لئے شیخ مجددؒ نے شریعت سے جہانگیر کے تعلق کو مضبوط کرنے اور اس تک صحیح مشورہ پہنچانے کی کوشش کو اپنا مطمح نظر بنایا۔ شیخ کو ان عناصر کی مخالفت کا بھی اندیشہ تھا جو اگرچہ دب گئے تھے لیکن ختم نہیں ہوئے تھے۔ صورتِ حال کے اس تجزیہ کے بعد انھوں نے جہانگیر کے قریبی بڑے عہدیداروں کو خطوط لکھے اور انھیں اسلام اور مسلمانوں کی قابلِ رحم حالت کے بارے میں بتا کر فوری کارروائی کی ضرورت کا احساس دلایا۔ مثال کے طور پر جہانگیر کے استاد اور ملک کے صدر الصدور صدر جہاں (م ۱۰۲۷ھ/ ۱۶۱۸ء) کے نام ایک خط میں انھوں نے لکھا:

''اب جبکہ صورتِ حال بدل چکی ہے، لوگوں کی عداوتیں کم ہو چکی ہیں، اسلامی زعمائ، صدر اسلام اور علماء اسلام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شریعت کو نافذ کرنے کی کوشش کریں، اسلام کے وہ ارکان جو منہدم ہو گئے

ہیں ان کو دوبارہ رائج کریں، مجھے اس بات کا شدید احساس ہے... اگر بادشاہ شریعت مصطفویہ کے نفاذ کے بارے میں کوشاں نہ ہو اور اس کے قریبی لوگ اپنے آپ کو اس معاملے میں معذور سمجھیں اور وقت کو اسی طرح گزار دینا چاہیں تو آگے چل کر عام مسلمانوں کے لئے، جنھیں کوئی قوت حاصل نہیں ہے، زندگی دشوار ہو جائے گی"[۵۸]۔

ایک دوسرے درباری امیر خان جہاں (م ۱۰۴۰ھ/ ۱۶۳۰ء) کے نام انھوں نے لکھا:

"جب بادشاہ آپ کی بات غور سے سنے اور اس کو اہمیت دے تو آپ انھیں اہل سنت والجماعت کے عقائد مختصر یا تفصیل کے ساتھ بیان کر دیں تو یہ بڑی بات ہو گی، براہِ کرم بادشاہ کو شریعت محمدیہ کے بارے میں بتایئے، اسلام اور مسلمانوں کے دفاع میں جب کوئی موقع ملے تو اس کو ہاتھ سے نہ جانے دیجیے، اسلام کے اُصولوں کا دفاع کیجیے اور بدعت و گمراہی پر تنقید کیجیے"[۵۹]۔

جب جہانگیر نے علماء کی ایک چہار رکنی کمیٹی تشکیل دی تو شیخ فرید کو، جنھوں نے جہانگیر کی حکومت کو بچانے میں اہم کردار ادا کیا تھا، شیخ مجدد نے لکھا کہ "صرف ایک خداترس، فاضل ولائق عالم کا انتخاب کیا جائے اگر ایک سے زائد علماء ہوں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ باہمی چپقلش میں مبتلا ہو کر جہانگیر کو بھی اسی طرح گمراہ کر دیں جس طرح ان سے قبل ان کے باپ کو گمراہ کر دیا تھا"[۶۰]۔

شیخ مجددؒ نے مختلف صوبوں کے اعلیٰ حکام کو بھی اپنے حلقۂ اثر میں اسلام کو نافذ کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ انھوں نے گجرات کے حاکم شیخ مرتضی، لاہور کے نائب قلیچ خاں، بہار کے حاکم لالہ بیگ، دکن کے سالار اعظم عبدالرحیم خانخاناں اور ان کے علاوہ متعدد اہم شخصیات کے نام خطوط لکھے اور ان سے اسلامی تعلیمات کی اشاعت، ایمان کی حفاظت، غیر اسلامی قوانین کی ترمیم، اسلامی ارکان کے احیاء اور اسلام کی معاندانہ قوتوں کو دبانے کی درخواست کی اور انھیں بتایا کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو آخرت میں اجرِ عظیم سے نوازے جائیں گے، اس لئے کہ وہ حقیقتاً وہ کام کریں گے جس کے لئے انبیاء بھیجے جاتے تھے[۶۱]۔

جہانگیری دربار میں سجدہ تعظیمی سے انکار اور قید و بند کی صعوبتیں

اپنی تخت نشینی کے چھ سال بعد جہانگیر نے نور جہاں سے شادی کی، جس نے اپنے حسن، علم اور ذہانت سے بہت جلد جہانگیر پر غیر معمولی گرفت حاصل کر لی اور اپنے بھائی کو وزیر اعظم اور والد کو دربار کا اہم رکن بنوا کر پوری حکومت پر غلبہ حاصل کر لیا۔ نور جہاں کے اس عروج سے دربار کے شیعہ عناصر، سنیوں کے خلاف متحرک ہو گئے۔ چونکہ شیخ مجددؒ کے بھی سنی طبقہ پر بڑے اثرات تھے اس لئے یہ عناصر ان کے بھی مخالف ہو

گئے۔ انھوں نے جہانگیر کو یہ باور کرایا کہ شیخ کے مریدین سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں، دربار کے امراء اور مختلف ریاستوں کے حکام سے بھی ان کے تعلقات ہیں، اس لئے وہ حکومت کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں[۶۲]۔ دوسری طرف وہ صوفیاء جن کے مشائخ اور طریقے پر شیخ مجددؒ نے تنقید کی تھی، وہ بھی ان سے ناخوش تھے۔ جب شیخ مجددؒ کے مریدین اور خلفاء میں سے بعض نے شیخ کے روحانی کمالات کا ذکر کرنا شروع کیا اور ان کے مکاشفات کی اشاعت شروع کی تو انھوں نے علی الاعلان شیخ پر تنقید شروع کر دی[۶۳]۔ شیخ کا ایک خط جو انھوں نے چھ سال قبل اپنے مرشد کو لکھا تھا اور اس میں اپنے مشاہدے کا ذکر کیا تھا کہ وہ مقام صدیق سے بھی آگے چلے گئے ہیں، اس کی بنیاد پر مختلف لوگوں کی طرف سے تنقیدیں شروع ہو گئیں، حتیٰ کہ کچھ لوگوں نے کفر کا فتویٰ لگا کر انھیں واجب القتل قرار دے دیا[۶۴]۔

۱۰۲۸ھ/ ۱۶۱۹ء میں جہانگیر نے شیخ مجددؒ کو ان الزامات کی وضاحت کے لئے بلوایا۔ تزک جہانگیری سے پتہ چلتا ہے کہ جہانگیر شیخ مجدد کے جوابات سے مطمئن نہیں ہوا اور ان کی اصلاح اور عوامی شورش کو کم کرنے کے لئے انھیں قید کرنے کا حکم دے دیا[۶۵]۔ بعض دوسرے ذرائع سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہانگیر ان کے جوابات سے مطمئن ہو گیا تھا لیکن چونکہ شیخ مجددؒ نے دربار میں داخل ہونے کے آداب کی خلاف ورزی کی تھی، اس لئے جہانگیر نے انھیں جیل بھجوا دیا[۶۶]۔

شیخ مجددؒ نے قید و بند کی صعوبتوں کو اولوالعزمی کے ساتھ برداشت کیا۔ انھوں نے نہ تو اپنے اس اقدام پر اظہارِ افسوس کیا اور نہ رہائی حاصل کرنے کی جدوجہد کی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہوتی تو انھیں قید نہ کیا جاتا۔ انھوں نے اس کو قربِ الٰہی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ سمجھا[۶۷] اور جیل کے اندر اپنے کام کو اسی جذبے کے ساتھ جاری رکھا جس جذبے سے انھوں نے جیل کے باہر شروع کیا تھا۔ ان کی زندگی اور تعلیمات سے متاثر ہو کر سینکڑوں غیر مسلم قیدیوں نے اپنے سابقہ اعمال سے توبہ کی اور اسلام قبول کیا[۶۸]۔

مجدد الف ثانیؒ کی رہائی اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز

ایک سال بعد جہانگیر نے شیخ مجددؒ کی رہائی کا حکم صادر کر کے انھیں دربار میں بلایا اور خلعت سے سرفراز کیا، ان کی جائیداد انھیں واپس کر دی، مزید ایک ہزار روپے کا عطیہ دیا اور اجازت دی کہ چاہیں تو معسکر (فوجی چھاؤنی) میں قیام کریں اور چاہیں تو سرہند چلے جائیں[۶۹]۔ شیخ مجددؒ نے معسکر میں رہنے کا فیصلہ کیا، اس لئے کہ اس طرح ان کو بادشاہ اور درباریوں میں دعوت و تبلیغ کا موقع تھا۔ جہانگیر کے ساتھ مختلف نشستوں میں شیخ ان کو قرآن پڑھ کر سناتے، قرآن کے پیغام سے آشنا کرتے اور ایمان اور شریعت کے اُصولوں کی وضاحت

کرتے[۷۰]۔ ایسا لگتا ہے کہ ان ساری چیزوں کا اس پر خاصا اثر پڑا۔ ایک سال بعد جب جہانگیر نے کانگڑا قلعہ فتح کیا تو اس نے وہاں اسلامی قوانین کے نفاذ میں غیر معمولی جوش اور جذبے کا اظہار کیا۔ اسی سال اس نے کشمیر میں مسلمان لڑکیوں کی غیر مسلموں سے شادی کرنے پر روک لگادی۔ اس نے ہجری سنہ کو دوبارہ رواج دیا، سکّوں پر اسلامی علامات کندہ کرائیں، جن مسجدوں کو شہید کر دیا گیا اُن کی دوبارہ تعمیر کروائی اور عربی و اسلامی تعلیمات کی حوصلہ افزائی کی[۷۱]۔

شیخ مجددؒ نے تین سال معسکر میں قیام کیا، مختلف مہموں میں بادشاہ کے ہم رکاب رہے، بہت سے مقامات کا دورہ کیا۔ جب ان کی صحت گرنے لگی تو سرہند واپس چلے گئے اور دوسری مصروفیت کو کم کر کے صرف اذکار و عبادات میں مشغول ہو گئے۔ شیخ نے ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء کو رحلت فرمائی۔

جن کاموں کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ شیخ مجددؒ کے پیشِ نظر کام کا صرف ایک حصہ ہے۔ مختلف اعتبارات سے اس سے زیادہ اہم کام وہ ہے جو شیخ نے تصوف اور شریعت سے اس کے تعلق کی وضاحت کے سلسلے میں انجام دیا۔ تصوف کی تاریخ میں وہ پہلے عظیم صوفی ہیں جنھوں نے صوفیاء کے روحانی سفر کی حقیقت بیان کی، اس کے مختلف مراحل کی خصوصیات پر روشنی ڈالی اور اس کی اہمیت پر تفصیل سے کلام کیا۔ اس طرح وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے خدا تک پہنچنے کے نبوی طریقے اور صوفی طریقہ میں امتیاز کیا اور مؤخر الذکر پر طریق نبوت کی روشنی میں تبصرہ کیا۔ شیخ مجددؒ نے غیر معمولی جرأت کے ساتھ تصوف کی پوری تاریخ پر نظر ڈالی اور واضح کیا کہ کون سے نظریات اور اعمال شریعت کی حدود کے اندر ہیں اور کون سے شریعت سے منحرف اور قابلِ تنقید ہیں۔ کوئی شخصیت چاہے کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، اگر اس نے شریعت کے خلاف کوئی بات کہی ہے تو شیخ مجددؒ نے اس پر بے تکلّف تنقید کی، خاص طور پر انھوں نے وحدۃ الوجود کے فلسفہ کو ہدف تنقید بنایا اور اسلامی عقائد، اقدار اور اعمال پر اس کے برے اثرات سے آگاہ کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انھوں نے وحدۃ الوجود کے بجائے وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا جو شریعت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے[۷۲]۔ یہ وہ کام ہے جسے خود شیخ مجدد نے احیائے اسلام کے لئے اپنی کاوشوں میں سب سے بڑی خدمت قرار دیا ہے۔

نتائج

مندرجہ بالا معلومات کا ماحصل یہ ہے کہ:

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی ملی و دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ انہوں نے علماء، صوفیاء اور معاشرہ کے دیگر سرکردہ لوگوں کی اصلاح کی کے لیے جو مساعی کیں ان کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ اسلام اور

اسلامی تعلیمات کا احیاء اور تجدید، اکبر کے دین الٰہی کے مقابلہ میں دین اسلام کی صحیح تصویر اجاگر کرنا اور اسلامی تعلیمات کو ہندوستانی کثیر مذہبی معاشرہ کے اثرات سے پاک اور محفوظ بنانا انہی کی کوششوں کے ذریعے ممکن ہو سکا۔ ان کی انہی اصلاحی اور تجدیدی کاوشوں کے نتیجے میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ نے انہیں مجدد الف ثانیؒ قرار دیا اور آج دنیا انہیں اسی لقب سے جانتی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

* ملا کمال کے ایک شاگرد ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (۱۰۶۷ھ/ ۱۶۵۶ء) تھے۔ یہ بڑے پائے کے عالم تھے، عہد شاہجہانی میں شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز رہے، متعدد کتابیں تصنیف کیں، شیخ مجدد کے بڑے مداح تھے اور ان کو مجدد الف ثانی کہا کرتے تھے اور اپنی کتاب ''دلائل التجدید'' میں ان کے کارناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ (عبدالحق انصاری، تصوف اور شریعت، تصوف فائونڈیشن، لاہور، ۲۰۱۱ء)

۱۔ ندوی، ابوالحسن علی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء، ۴/۱۵۴۔۱۵۶۔

۲۔ جہانگیر، نورالدین، تزک جہانگیری، تحقیق: ڈاکٹر احمد خاں، علی گڑھ، ۱۸۶۴ء، ص: ۲۷۲، 273۔

۳۔ شیخ مجدد: مکتوبات، ج۱، م۱۳۱، ص: ۳۰۴، ۳۰۵۔

۴۔ ایضاً، ج۲، م۶، ص: ۸۷۲۔

۵۔ ایضاً، ج۱، م ۲۳۴، ص: ۴۹۵۔

۶۔ ایضاً۔

7. Aziz Ahmed, Islamic Culture in the Indian Environment, Oxford University Press 1964, pp.175.

۸۔ بدایونی، عبدالقادر، منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۲۵ء، ۳/ ۱۳۰، ۱۳۱۔

۹۔ ایضاً، ۲/ ۸۔ ۲۴۵۔

۱۰۔ اثبات النبوۃ، ص: ۱۹، ۲۰۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ محمد اسلم، سرمایۂ عمر، ص: ۱۱۴۔

۱۳۔ تاریخ دعوت و عزیمت: ۴/ ۴۵۔

۱۴۔ مکتوبات، ج۱، م ۱۲۰، ص ۲۷۸۔

۱۵۔ ایضاً، ج۱، م ۲۵۱، ص ۵۲۳

۱۶۔ شیخ مجدد نے لکھا ہے مولانا جامی (۸۹۸ھ/ ۱۴۹۲ء) اور بعض دوسرے مصنفین نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا ہے۔ (مکتوبات، ج۱، م ۲۵۱، ص۵۔ ۵۲۴)

۱۷۔ اپنی کتاب ''رد روافض'' میں شیخ مجددؒ نے متعدد شیعہ فرقوں اور ان کے عقائد کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے کچھ عقائد ایسے ہیں جو اسلام کی بنیاد ہی منہدم کر دیتے ہیں۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ یا یہ کہ وحی

دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف آرہی تھی لیکن جبرائیل علیہ السلام کی غلطی سے محمد ﷺ کی طرف منتقل ہو گئی اور یہ کہ روحیں مختلف شکلوں میں بار بار پیدا ہوتی رہتی ہیں، شیعوں کے بڑے فرقے ان عقائد کے حامل نہیں ہیں، صرف کچھ ہی انتہا پسند فرقے یہ خیالات رکھتے ہیں اور انھی کو امت نے کافر قرار دیا ہے۔ جو شیعہ صحابہ کرام پر خاص طور پر ابتدائی تین خلفائے راشدین اور ان صحابہ پر تبرا کرتے ہیں، جنھوں نے حضرت علی کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا، ان کے بارے میں رائے مختلف ہے۔ (عبدالحق انصاری، تصوف اور شریعت، تصوف فائونڈیشن، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص: ۳۱۔۳۲)۔

۱۸۔ نعمانی، محمد منظور، تذکرہ امام ربانی، مکتبہ الفرقان، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء، ص: ۲۹۹۔

۱۹۔ مکتوبات، ج: ۱، م: ۲۶۶، ص: ۶۱۲۔

۲۰۔ ایضاً، ج: ۳، م: ۴۱، ص: ۱۲۹۷۔

۲۱۔ ایضاً، ج: ۳، م: ۴۱، ص: ۱۲۹۸۔

۲۲۔ تذکرہ امام ربانی، ص: ۱۲۳، یہ تعجب خیز بات ہے کہ شیخ اکرام نے بغیر حوالہ کے کفری تخلص کا انتساب خود شیخ مجددؒ کی طرف کیا ہے۔

(Muslim Civilization in India, New York London, Columbia University Press, 1964, pp.167).

۲۳۔ مکتوبات، ج: ۳، م ۴۱، ص: ۱۲۹۸۔

۲۴۔ ایضاً، ج ۱، م ۲۸۸، ص: ۷۲۲۔

۲۵۔ ایضاً، ج ۱، م ۲۶۱، ص: ۵۷۳۔

۲۶۔ ایضاً، ج ۱، ۲۶۶، ص: ۶۲۶۔

۲۷۔ ایضاً ج ۱، م ۲۶۰، ص: ۵۶۲۔

۲۸۔ ایضاً، ج ۲، م ۲۸، ص: ۲۔ ۹۲۱۔

۲۹۔ ایضاً، ج ۳، م ۴۱، ص: ۱۳۰۶۔

۳۰۔ ایضاً، ج ۱، م ۲۷۶، ص: ۶۷۳۔

۳۱۔ ایضاً، ج ۱، م ۲۶۱، ص: ۵۷۳۔

۳۲۔ ایضاً، ج ۱، م ۲۹۴، ص: ۷۷۶۔

۳۳۔ ایضاً، ج ۳، م ۶۶، ص: ۱۳۶۷۔

۳۴۔ ایضاً، ج ۱، م ۲۹، ص: ۶۔ ۹۵۔

۳۵۔ ایضاً، ج ۱، م ۲۳۱، ص: ۴۸۱۔

۳۶۔ مکتوبات، ج ۱، م ۱۸۶، ص: ۳۷۸۔ ۳۷۵،

۳۷۔ مکتوبات، ج ۲، م ۵۴، ص: ۱۰۳۲۔